© rasailojaraid.com

عرب شورش کے بعد امریکی حکمتِ عملی
ترقی پسند عہد کی سمت

کولن ایچ کاہل اور مارک لنچ

خلاصہ:

عرب بہار نے جہاں بہت سے عرب ممالک میں برسوں سے رائج آمرانہ حکومتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے وہیں مشرقِ وسطیٰ کے منظرنامے کو بھی تبدیل کر دیا ہے۔ عرب، اسرائیل تنازعہ اب مشرقِ وسطیٰ میں پیش آنے والے واقعات کا مرکز ومحور نہیں رہا اگرچہ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس تبدیل شدہ منظرنامے میں، مشرقِ وسطیٰ کے لیے امریکی حکمتِ عملی میں تبدیلی بھی ناگزیر ہو چکی ہے۔

امریکہ کو اس خطے میں اپنے مفادات اور ان مفادات کے حصول کے طریقہ کار پر نظر ثانی کرنا ہوگی جن میں سرفہرست مستحکم جمہوری شراکت داروں کے ابھرنے کی حوصلہ افزائی اور امریکہ کی عسکری طاقت کے حجم اور اس کے استعمال میں مناسب توازن پیدا کرنا ہے۔ زیرِ نظر مضمون نئے مشرقِ وسطیٰ میں نئی امریکی حکمتِ عملی کے لیے رہنما تجاویز پیش کرتا ہے۔

دنیائے عرب میں انقلاب کی لہر کے دو سال بعد نئے علاقائی محرکات زیادہ واضح ہو چکے ہیں، ساتھ ہی خطے کے حوالے سے موجودہ امریکی پالیسی میں غیر حل شدہ تناؤ بھی۔ عرب شورش سے منسلک سیاسی اضطراب کے حجم اور رفتار کو دیکھتے ہوئے اوباما انتظامیہ نے بڑے پیمانے پر ایسا رویہ اپنایا جو ردعمل سے طے پایا، اور انھوں نے امریکی پالیسیوں کو تیزی سے بدلتے ہوئے ماحول سے ہم آہنگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کی کوشش کی۔ عام طور پر کیے گئے فیصلوں کے مقابلے میں ان کوششوں میں اسے زیادہ کامیابی ملی، کیونکہ اس کے ذریعے ایران اور القاعدہ کے خلاف موثر دباؤ برقرار رہا اور ساتھ ساتھ تیونس، مصر، یمن اور لیبیا میں بامعنی سیاسی تبدیلی میں مدد ملی۔ لیکن اب خطے کے لیے امریکی حکمت عملی میں جھکاؤ محسوس ہو رہا ہے۔ اوباما انتظامیہ کے لیے اب وقت آ چکا ہے کہ وہ نئے مشرق وسطیٰ کے لیے زیادہ مرکوز، مرکزی نوعیت کا اور مثبت ایجنڈا تشکیل دیں۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کو لازمی طور پر عرب دنیا میں داؤ پر لگے اپنے اہم قومی مفادات کی بے تکلفانہ اور احتیاطاً صراحت کرنا ہوگی، ایسے وسائل جن کو مدنظر رکھنے کا وہ قابل اور خواہشمند ہے، اور اپنے مقاصد کے درمیان باہمی تضاد کی بھی وضاحت کرنا ہوگی۔ زیادہ پُر زور عسکری علاقائی حکمتِ عملی، آمروں کی مدد یا استحکام کے نام پر آمریت کو قبول کرنا مفید حکمتِ عملی نظر نہیں آتی۔

آنے والے سالوں میں عوامی تحریک اور سیاسی عدم استحکام کی پے در پے لہریں دیکھی جاسکتی ہیں جو سب سے زیادہ طاقتور روایتی خلیجی ریاستوں کو بھی ختم کر سکتی ہیں۔ تزویراتی اعتبار سے اور ساتھ ساتھ معیاری اصولوں کے مطابق بھی پرانے آمرانہ انداز کی جانب واپسی کا اب کوئی راستہ نہیں۔ اصلاحات کے عوامی مطالبات کی حمایت بھی امریکہ کو شاکی عرب عوام میں مستقبل قریب میں دوستوں کی ضمانت نہیں دیتی اور بالآخر بقیہ آمرانہ حکومتوں کے ساتھ ٹکراؤ پیدا ہوگا اور یہ آمر بین الاقوامی اتحادیوں کی جانب سے زیادہ غیر واضح اور غیر مشروط حمایت مانگیں گے۔ البتہ اس حقیقت کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا کہ صرف بامعنی سیاسی اصلاحات ہی اس اہم خطے میں طویل المیعاد بنیادوں پر استحکام لاسکتی ہیں۔ اس لیے امریکی پالیسی کو مشرق وسطیٰ میں سیاسی اصلاحات کے فروغ کو اپنی سرفہرست ترجیح بنانا چاہیے۔

ہم نے مشرق وسطیٰ کے لیے ایک نئی حکمت عملی مرتب کی ہے، جسے ہم نے ''ترقی پسند عہد کی سمت'' کا عنوان دیا ہے۔ حکمت عملی کی توجہ سیاسی اصلاح کی حوصلہ افزائی، ابھرتے ہوئے کرداروں کے ساتھ وسیع البنیاد تعلق اور ساتھ ساتھ خطے میں امریکہ کی فوجی موجودگی کو ''بہتر بنانے'' پر مرکوز ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلے میں امریکہ کی وابستگی کو ازسرنو مرتب کرنے کا مطلب مشرق وسطیٰ کو چھوڑ دینا، اپنے اہم مفادات کی قربانی دینا، یا قائدانہ کردار کو ترک کر دینا نہیں۔ اس کا مطلب اپنے اہداف کو مختلف انداز میں حاصل کرنا ہے۔ ایسے طریقوں سے جو امریکہ کی موجودہ استعداد و قابلیت کے مطابق ہوں اور زیادہ بااختیار اور جمہوریت پسند خطے میں ہوں۔ علاقائی کرداروں کو امن و امان کے ڈھانچے اور سیاسی عمل میں اپنے کردار کو بہتر انداز میں اور لازماً ادا کرنا ہوگا، جس میں امریکہ راج کرنے کے بجائے محض انہیں اکٹھا کرنے، سہل بنانے اور رہنمائی کرنے میں تعاون کے لیے اپنا کردار ادا کرے گا۔ امریکہ کو مقامی سیاست کے نتائج کو تسلیم کرنے اور انہیں کنٹرول کے مغالطے سے نکلنے کی ضرورت ہے، اور اسے جمہوری و آزاد خیال تبدیلی کے لیے اپنے مثبت وژن اور صاف اور بھرپور قوت سے پھیلانا چاہیے۔

ایک تبدیل ہوتا علاقائی منظرنامہ

گزشتہ دو سالوں نے مشرق وسطیٰ میں زبردست تبدیلیاں دیکھی ہیں۔ چند علاقوں میں زیادہ (جیسا کہ شام) بڑے پیمانے پر تبدیلیاں دیکھنے میں آئی ہیں، لیکن مستقبل کے واقعات کو سمجھنے کے لیے چند رجحانات بدستور اہم ہیں۔ پہلے نام نہاد عرب بہار نے کلیدی علاقائی محرکات، داخلی و بیرونی خطرات کے حوالے سے نظام حکومت کے تصور، اور مختلف سیاسی عوامل کے کردار کو کافی گہرائی تک تبدیل کیا۔ ایک متحرک عوامی رائے جس میں معروف قوتوں کا متنوع اجتماع ہو، جس میں اسلام پسند بھی شامل ہوں، علاقائی سیاست میں پہلے سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ شام میں بدلتے ہوئے شہری تنازع نے بھی پورے خطے کی تزویراتی توجہ بہت تیزی سے حاصل کی ہے، اور لیونت کے بیشتر حصے کو غیر مستحکم کرنے کا خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ دوسرا، گو کہ ایران گزشتہ دو سالوں میں کمزور ہوا ہے، لیکن اس کے جوہری و قائدانہ ارادے اس کے پڑوسیوں، بالخصوص اسرائیل، اور مغرب کو مسلسل پریشان کر رہے ہیں۔ تیسرا، گو کہ القاعدہ کو انتظامی و سیاسی سطح پر زبردست دھچکے پہنچے ہیں، لیکن اس سے منسوب مقامی تحریکوں نے ہلچل پیدا کر دی ہے۔ چوتھا، اسرائیل۔فلسطین مسئلہ بدستور علاقائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدم استحکام کا بنیادی عنصر ہے اور سیاسی تشدد کا ایک مستقل ذریعہ بھی بنا ہوا ہے۔ آگے بڑھنے کے لیے کسی بھی قابل عمل امریکی حکمت عملی کو ان تیزی سے بدلتے ہوئے محرکات کو لازماً ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔

عرب شورشیں

عرب شورش کی باتیں اب زبان زد عام ہیں۔ ۱۷ دسمبر ۲۰۱۰ء کو محمد بوعزیزی کی خودسوزی ۲۸ روزہ انقلاب کا سبب بنی جس نے تیونس میں ۲۳ سال سے جاری حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ انقلاب مصر تک پھیل گیا، جہاں حسنی مبارک کی کئی دہائیوں پر پھیلی حکومت جنوری/فروری ۲۰۱۱ء میں صرف اٹھارہ دنوں کی جدوجہد سے اپنے اختتام کو پہنچی۔ حسنی مبارک کے خاتمے نے انقلاب کا جوش مزید آگے پھیلا دیا، کیونکہ خطے بھر کے عرب اچانک یہ سمجھنے لگے تھے کہ تبدیلی صرف ممکن ہی نہیں، بلکہ ناگزیر بھی ہے۔ تقریباً ہر ملک میں عوامی مظاہروں کے ذریعے حکومت کو للکارا گیا، شمالی افریقہ سے خلیج تک۔ ان مظاہروں کے نتائج یکساں نہیں تھے، البتہ مصر، لیبیا، یمن اور تونس نے آمرانہ اقتدار کو اکھاڑ پھینکنے کے مشکل کام کو سرانجام دیا۔ اردن، مراکش اور عمان میں اوسط درجے کے مظاہروں نے اصلاحات کی جانب عارضی اقدامات اٹھانے کی راہ ہموار کی، جبکہ بحرین اور سعودی عرب کے مشرقی صوبوں میں سیاسی تبدیلی کے مطالبوں کو حکومت کی جانب سے سختی سے کچل دیا گیا۔ ۱

شام کی صورتحال سب سے الگ تھلگ رہی۔ جب یہ الفاظ قلم بند ہو رہے ہیں اس وقت تک شام کے حالات ایک زبردست خانہ جنگی میں تبدیل ہو چکے ہیں، جو لاکھوں اموات اور لاکھوں افراد کی ہجرت کا سبب بنی ہے اور مسئلے کا کوئی واضح حل بھی سامنے نظر نہیں آتا۔ باغیوں کی فتح کی صورت میں بھی اس کے ناکام ریاست بننے کا خطرہ موجود رہے گا، موجودہ حالت برقرار رہے تو بھی عدم استحکام کے باعث یہ علاقے میں غیر علانیہ جنگ کے لیے کھلا میدان بن جائے گا۔

مخصوص حالات کیا رخ اختیار کریں گے، اس سے قطع نظر ایک بنیادی حقیقت بالکل واضح ہے: عرب دنیا میں دہائیوں تک پالیسی کی رہنمائی کرنے والی نمایاں مضبوط آمریت ایک سراب ثابت ہوئی ہے۔ اکیسویں صدی کے سیٹلائٹ ٹی وی، رابطے کی جدید ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا کی طاقت سے لیس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوامی مظاہروں میں ڈرامائی اضافے کو دیکھتے ہوئے یہ بات واضح ہے کہ خطے میں طویل المیعاد استحکام کے لیے تمام حکومتوں کو بامعنی اقدامات کی ضرورت ہوگی جو واقعی سیاسی واقتصادی اصلاحات کی جانب بڑھیں۔ حتیٰ کہ ان عرب ریاستوں میں بھی کہ جہاں عوامی مظاہروں کے خلاف حکومت نے سخت ردعمل دکھایا، مزاجاً بھی سیاست میں عوامی شمولیت کے پھیلاؤ میں بھی واضح تبدیلی دیکھنے میں آئی، اردن میں ہفتہ وار مظاہروں سے لے کر سعودی عرب میں ٹوئٹر پر سیاسی مناظر میں دیکھے گئے حیران کن اضافے تک۔

موجودہ تزویراتی منظرنامے کی فیصلہ کن خصوصیت غیر یقینی کیفیت ہوگی۔

ان تبدیلیوں کے حتمی تزویراتی اثرات واضح نہیں ہیں۔ کئی لوگ اسلامی تحاریک کی ابھرتی ہوئی قوت سے خطرہ محسوس کررہے ہیں، چاہے وہ منتخب طریقے سے آئے یا پرتشدد انداز میں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والی یوٹیوب وڈیو کے منظرعام پر آنے کے بعد ستمبر ۲۰۱۲ء میں پورے خطے میں ہونے والے امریکہ مخالف مظاہرے اور اس سے پیدا ہونے والے بحران پر حکومتوں کا غیر متوازن رویہ اپنے اندر چھپے ہیجان کا اشارہ تھے جو خطے کے لیے امریکہ کی مستقبل کی پالیسی کو پیچیدہ کرسکتا ہے۔ البتہ، جب اسرائیل نے نومبر ۲۰۱۲ء میں غزہ پر حملہ کیا، تو مصر کے صدر محمد مرسی عوامی مظاہروں کو روکنے اور ہتھیار ڈالنے کے لیے مذاکرات میں بہت عملی اور موثر ثابت ہوئے۔[۲] اب تک محض چند ہی اشارے ملے ہیں کہ خطے کے منتخب اسلامی رہنما ممکنہ طور پر ایک دوسرے کے ساتھ یا ایران کے ساتھ تعاون کریں گے، یا مصری اخوان اسرائیل کے ساتھ قاہرہ کے تعلقات کو خطرے میں ڈالیں گے۔

مزید برآں، اس وقت جبکہ بیشتر تبصرہ کاروں کی توجہ انقلاب کے اثرات پر ہے، خلیج میں موجودہ ریاستی معاملات کے ٹوٹنے کا خطرہ وجود پاچکا ہے اور یہ بدستور شکل اختیار کرتا جائے گا، اور مظاہروں کی تحریک کی طرح علاقائی ماحول بھی حکومتوں کو للکارے گا۔ درحقیقت، عرب شورش سے منسلک عدم استحکام بقیہ آمر حکومتوں کو علاقائی طاقت حاصل کرنے کے لیے نئے مواقع فراہم کرتا ہے۔ قطر اور سعودی عرب جیسی ریاستیں، جو نسبتاً مستحکم و محفوظ ہیں اور ان کی جیبیں بھی خوب بھری ہوئی ہیں، اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالیاتی و ابلاغی طاقت کو استعمال کر کے انتخابات اور خانہ جنگیوں میں اپنے مقامی گماشتوں کی حمایت کر سکتی ہیں۔

مختصر یہ کہ ابھرتا ہوا علاقائی نظام متضاد نئے رجحانات کے پیچیدہ عناصر پر مشتمل ہے۔ امریکہ کو خطے میں لازماً خود کو موثر پوزیشن میں رکھنا ہوگا، کیونکہ یہ خطہ مستقبل قریب میں ہنگامہ خیز اور ایسی صورتحال کا حامل رہے گا جس کے بارے میں پیش گوئی کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

ایران کے جوہری و علاقائی عزائم

''عرب بہار سے قبل'' خطے کے مسائل میں امریکہ کے لیے ایران کے جوہری و قائدانہ عزائم سے بڑھ کر کچھ نہ تھا۔ حالیہ چند سالوں میں ایران نے اپنی جوہری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں خاصی پیشرفت کی ہے، جس نے واشنگٹن، یروشلم اور متعدد عرب دارالحکومتوں میں بڑے پیمانے پر تشویش کی لہریں دوڑائی ہیں۔ خطرہ ہے کہ جوہری ہتھیاروں سے لیس تہران لیونت، عراق اور خلیج میں عسکریت پسندی، دہشت گردی اور انقلابات کی حمایت میں اضافہ کرے گا، اور یوں پہلے ہی سے ہنگامہ خیزی کے شکار خطے کو مزید عدم استحکام کا نشانہ بنائے گا۔[۳] ہوسکتا ہے کہ پڑوسی ریاستیں، بالخصوص سعودی عرب، خود اپنے جوہری دفاع کا سوچے، اس طرح خطے میں ہتھیاروں کی ایک زبردست دوڑ کا آغاز ہوسکتا ہے اور یہ بات ان خدشات میں اضافہ کرسکتی ہے کہ علاقائی بحران ایک جوہری جنگ تک پہنچ جائے۔[۴] (ایران کی ممکنہ جارحیت کو روکنے اور کسی بھی سانحے کے لیے تیاری کی خاطر امریکہ نے خلیج میں ۵۰ ہزار فوجی رکھے ہوئے ہیں، جس میں زبردست بحری، فضائی، بری افواج اور بیلسٹک میزائل دفاعی صلاحیتیں شامل ہیں)۔[۵] اس لیے علاقائی سیاست میں ایران کے جوہری پروگرام کے اثرات فیصلہ کن ہوسکتے ہیں۔

گو کہ ایران ابھی تک جوہری ہتھیار حاصل نہیں کر پایا، لیکن اگر ایران کے رہبر معظم (سپریم لیڈر) آیت اللہ علی خامنہ ای فیصلہ کریں تو ایرانی حکومت مستقبل میں کسی بھی وقت ایک بم بنانے کی پوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوشش کرے گی۔ بین الاقوامی جوہری توانائی ایجنسی (آئی اے ای اے) کے مطابق ایران کے پاس کم افزودہ یورینیم کی مناسب مقدار موجود ہے جو نصف درجن ایٹم بم بنا سکتی ہے۔[6] اگر اسے اس حد تک افزودہ کیا جائے (۹۰ فیصد تک) کہ وہ ہتھیاروں کی سطح تک پہنچ جائے۔ تیز ترین و قابل اعتماد اندازے بتاتے ہیں کہ ایران چند ماہ میں واحد جوہری آلے کے لیے شق پذیر مادے (فزائیل میٹیریل) کی افزودگی کرسکتا ہے، اور ممکنہ طور پر سیاسی فیصلے کی صورت میں ایک سال کے اندر اندر ایک خام ہتھیار بنا سکتا ہے۔ ایران کی جوہری تنصیبات آئی اے ای اے کی زیرِ نگرانی ہونے کی وجہ سے ایران کا اپنی جوہری صلاحیت کو ہتھیاروں میں بدلنا خلاف قیاس ہے یہاں تک کہ وہ مذکورہ بالا وقت کو بہت کم کردے یا خفیہ طور پر بم تیار کرے جس میں کئی سال لگ سکتے ہیں۔[7]

ایران کے جوہری عزائم کے خلاف بین الاقوامی ردِ عمل نے ایران کے مالیاتی، نقل و حمل اور توانائی کے شعبوں پر غیر معمولی اقتصادی دباؤ ڈالا۔ ایران عالمی مالیاتی نظام سے بڑے پیمانے پر کاٹ دیا گیا، اس کی تیل کی آمدنی کٹ کر نصف رہ گئی، ایرانی کرنسی (ریال) کی قدر میں زبردست کمی واقع ہوئی اور افراط زر کی شرح آسمانوں کو چھونے لگی۔[8]

ایران عرب شورش کا فائدہ اٹھانے کے لیے بھی ہاتھ پاؤں مارتا دکھائی دیا۔[9] عرب بہار کے پورے عرصے میں ایرانی حکومت نے (ناکام) کوشش کی کہ ان مظاہروں کو ایران کے اپنے انقلاب ۱۹۷۹ء سے متاثرہ ''اسلامی احیاء'' قرار دیا جائے۔ اکثر و بیشتر عرب دنیا نے اس بیان کو تذلیل و تحقیر کا نشانہ بنایا۔[10] شام کے ظالمانہ اقدامات کی ایران کی جانب سے حمایت نے خطے میں حکومت کی ساکھ کو بالخصوص ملامت کا حقدار ٹھہرایا، یہ اقدامات ۲۰۰۹ء کی سبز تحریک پر تہران کے اپنے جابرانہ ردِعمل کے نقش قدم پر کیے گئے۔[11]

بلاشبہ، ایران کے علاقائی اثر و رسوخ کے لیے سب سے بڑا خطرہ اسد حکومت کا ممکنہ خاتمہ ہے۔ ایران اپنی واحد عرب اتحادی ریاست اور لیونت میں عسکریت پسندی کو سہارا دینے والے راستے سے محروم ہو جائے گا۔ شام میں بغاوت نے خطے کے پورے ''مزاحمتی کیمپ'' کی سالمیت کے لیے بڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسئلے کھڑے کر دیے ہیں جس کی قیادت بھی دعوے کے مطابق ایران کے پاس تھی۔ لبنان میں حزب اللہ کی قیادت نے زبانی اور عملی طور پر اسد کی حمایت کی۔ اس حمایت نے حزب اللہ کو خودغرض، شیعہ فرقہ پرست تحریک کے طور پر نمایاں کیا، جس نے اندرون اور بیرون ملک اس کی عرب قوم پرست اور اسرائیل مخالف مزاحمتی تحریک کی حیثیت سے ساکھ کو زبردست نقصان پہنچایا۔ ۱۲

عرب ممالک کے عوام اور ان کی حکومتیں تہران کے ساتھ تعلقات بنانے یا اس کے ساتھ اتحاد قائم کرنے میں ہچکچاتے نظر آتے ہیں مثلاً، اخوان نے مصر میں ظاہر کیا کہ وہ ایران کے سامنے نہیں جھکے گا۔ ۱۳ درحقیقت، ایک جمہوری مصر ایران کے سامنے سر جھکانے کے بجائے ممکنہ طور پر ایران کے اہم مقابل کے طور پر ابھرے گا۔

جہاں تک ایران، عراق تعلقات کا معاملہ ہے تو یہاں بھی تہران کو مشکلات درپیش ہیں۔ ایک طرف مقامی سطح پر ایران پر عدم اعتماد بہت گہرائی تک پایا جاتا ہے دوسری جانب عراق کی تیل کی دولت اور عسکری قوت میں وقت کے ساتھ اضافہ ہوا ہے، اس لیے ہم توقع رکھ سکتے ہیں کہ ملک اپنی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ امریکہ کی قابل بھروسہ علاقائی شراکت دار کی حیثیت سے عراق کے ابھرنے کی خواہش ماند پڑ جائے تب بھی، تہران بغداد کو مال مفت دل بے رحم کے طور پر نہیں لے گا۔

علاقائی اور نظریاتی اثر انگیزی کے لیے ایران کے اہم حریف سعودی عرب کی زیرِ قیادت جی سی سی ممالک بحرین اور یمن میں حزب اختلاف کے گروہوں کے لیے ممکنہ ایرانی مدد سے بھی متحرک انداز میں نمٹے، جبکہ شام میں اسد مخالف جنگجوؤں کی مدد کی۔ اس تناظر میں یہ خطرہ کہ خلیج کی ایران مخالف ریاستیں تہران کی قوت بڑھنے کی صورت میں اس کا ساتھ دینے کا انتخاب کریں گی یا امریکی وابستگی ڈگمگا جائے گی، کو سنجیدگی سے نہیں لینا چاہیے۔ اس کے بجائے ایران کے مسلسل جوہری اور قائدانہ عزائم کے مقابلے میں ہمیں سعودی عرب اور دیگر جی سی سی ممالک سے توقع کرنی چاہیے کہ وہ مل جل کر کام کریں گے۔ گو کہ تہران کے حوالے سے یہ مقابلے کا رویہ کسی حد تک ایران کو باندھ کر رکھے گا، لیکن یہ خطے میں سنی۔شیعہ قطبیت کو مزید گہرا کرنے کا سبب بنے گا۔ ۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

القاعدہ

نائن الیون کے ایک دہائی بعد القاعدہ سے منسوب تنظیمیں لیونت، عراق اور جزیرہ نما عرب میں کام کر رہی ہیں، اور ساتھ ساتھ مغرب اور قرن افریقہ میں بھی، جبکہ القاعدہ ''مرکزی'' طور پر پاکستان میں متحرک ہے۔ اس کے باوجود صدر جارج ڈبلیو بش کے عہد میں شروع ہونے اور صدر براک اوباما کے دور میں پھیلنے والی انسداد دہشت گردی کی سرگرمیوں کے نتیجے میں اسامہ بن لادن اور درجنوں رہنما مارے گئے اور افغانستان، پاکستان، عراق، صومالیہ اور یمن میں کام کرنے والوں کو اکھاڑے سے نکال باہر کیا گیا۔ نتیجے میں القاعدہ کی امریکہ کے خلاف بڑے پیمانے پر حملے کرنے کی صلاحیت بہت تیزی سے کم ہوئی۔ ۱۵ اور گو کہ ڈرون حملوں کا استعمال بڑے پیمانے پر متنازع رہا، اور اسے بنیادی طور پر نئے قانونی ڈھانچے میں لانے کی ضرورت پڑے گی، لیکن القاعدہ کے خلاف امریکہ کی مہم میں یہ بدستور بڑا کردار ادا کریں گے۔

وسیع تر تناظر میں دیکھیں تو حالیہ برسوں میں مشرق وسطیٰ میں القاعدہ کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ انتخابات نے تیونس اور مصر میں اسلام پسندوں کو اقتدار تک پہنچایا، لیکن کم ہی نے مستقبل کے لیے القاعدہ کے پرتشدد نظریے کا اظہار کیا یا دہشت گرد تنظیم کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ ۱۶ اس کے بجائے زیادہ معتدل نظریات کے اسلام پسندوں کی حکومت میں شمولیت القاعدہ کو تقویت دینے کے بجائے اسے چیلنج کرتی ہے۔

القاعدہ کی ''مرکزی'' کمان کے مارے جانے کے بعد خطرناک مقامی گروہ ابھر چکے ہیں، جس میں تیونس اور لیبیا میں انصار الشریعہ اور ساتھ ساتھ شام میں جبھۃ النصرہ شامل ہیں۔ جزیرہ نما عرب میں القاعدہ نے یمن کے کافی علاقے میں واضح قبضہ کر رکھا ہے، جبکہ بنیاد پرست تحریکوں نے ساحل (شمالی افریقہ) میں بھی پیشرفت کی ہے، بالخصوص مالی میں۔ القاعدہ نے جس بین الاقوامی جہاد کو ۲۰۰۰ء کی دہائی سے عراق میں جاری رکھا ہوا تھا، شام نے بین الاقوامی جہاد کی اس کوشش کو زندہ رکھنے کے خصوصی امکانات پیش کیے ہیں۔ مختصر یہ کہ القاعدہ کمزور ضرور پڑی ہے لیکن بالکل ختم نہیں ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گروہ کا زیادہ پھیلے ہوئے مقامی نیٹ ورکس کی جانب ارتقاء امریکی مفادات کے لیے بدستور خطرہ بنا رہے گا۔

اسرائیل-فلسطین پیچیدگی

عرب-اسرائیل تناؤ اب مشرق وسطیٰ میں پیش آنے والے واقعات کا مرکزی مقام نہیں رہا، لیکن یہ تنازع علاقائی ایجنڈے کو اچانک دوبارہ اپنی گرفت میں لینے کی قوت رکھتا ہے، جیسا کہ حالیہ غزہ جنگ سے ظاہر ہوا۔ ایک اسرائیل-فلسطین معاہدے پر رضامندی میں ناکامی اسرائیل کی حفاظت اور علاقائی استحکام کے لیے بدستور بنیادی چیلنج ہے۔ دو ریاستی حل کی غیر موجودگی میں اسرائیل کی پھیلتی ہوئی آبادکاری کی جغرافیائی حقیقت اور مغربی کنارے میں مستقل قبضہ بڑھتی ہوئی فلسطینی آبادی کے لیے ناگزیر طور پر تصادم کا سبب بنے گا جو یہودی اور جمہوری ریاست دونوں کی شناخت برقرار رکھنے کے لیے اسرائیل کے لیے مشکلات پیدا کرے گا۔ ۱۷ دریں اثناء، فلسطینیوں کا امن عمل اور اپنی قیادت پر عدم اعتماد تیسری انتفاضہ کے آغاز کا سبب بن سکتا ہے، یا پھر ایک ''فلسطینی بہار'' کا، یا دونوں کا۔ ۱۸ اور عرب دنیا میں بڑھتی ہوئی عوامی تحریکوں کو دیکھتے ہوئے ان میں سے کوئی بھی نتیجہ اسرائیل کی تنہائی میں اضافے اور علاقائی تنازع میں شدت کا خطرہ پیدا کرسکتا ہے۔

صدر اوباما کی جانب سے عہدہ سنبھالنے کے فوراً بعد اسرائیل-فلسطین مسئلے کو دی گئی انتہائی ترجیح کے باوجود انتظامیہ کی فریقین کو بامعنی اور جاری رہنے والے مذاکرات کی طرف دھکیلنے اور امن کے خلاف کام کرنے والی طاقتور قوتوں پر غالب آنے کی کوششیں ناکام رہیں۔ ۱۹ اسرائیلی سیاست میں دائیں بازو کی جانب جھکاؤ نے فلسطینیوں کے ساتھ معاہدے کی سیاسی خواہش اور فوری ضرورت کو کم کردیا ہے، کیونکہ کئی مذہبی اسرائیلی اور آبادکار برادری کے دائیں جانب جھکاؤ رکھنے والے مہاجرین سمجھتے ہیں کہ پورا مغربی کنارہ اسرائیلی زمین ہے۔ ۲۰ اسرائیل کے جنوری ۲۰۱۳ء انتخابات میں مرکزی جماعتوں کی توقع سے بڑھ کر کامیابی اس رجحان میں عارضی بہتری لاسکتی ہے، لیکن دو ریاستی حل کے لیے اسرائیل پر بڑا دباؤ ڈالنے کے لیے یہ کافی نہیں۔ گو کہ عرب بہار اسرائیل کی طویل المیعاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حفاظت کے لیے فلسطین کے ساتھ معاہدے کو پہلے سے کہیں زیادہ اہم بناتی ہے، لیکن اسرائیلی رہنما مصر اور شام میں شورش، اردن میں عدم استحکام کی توقع اور ایران کی جانب سے بڑھتے ہوئے خطرے کے سامنے ''خاموش بیٹھ'' جانے کو ترجیح دیتے رہے، بجائے اس کے کہ امن کے لیے قدم اٹھانے کا خطرہ مول لیتے۔ ۲۱

فلسطینی رہنما مغربی کنارے میں الفتح اور غزہ میں حماس کے درمیان بڑے پیمانے پر تقسیم رہے۔ مالیاتی بحران اور اسرائیل کے ساتھ تعاون کے لیے واضح سیاسی منظرنامے کی عدم موجودگی میں فلسطینی اتھارٹی (پی اے) امن عمل کو آگے بڑھانے کا خطرہ مول لینے کے لیے عوامی جواز اور سیاسی کنٹرول سے محروم ہے۔ حماس سے مفاہمت اور اقوام متحدہ میں مبصر کی نشست حاصل کرنے کے لیے پی اے کی حالیہ کوششیں فلسطینیوں میں اس بڑھتے ہوئے تاثر کو ظاہر کرتی ہیں کہ اسرائیلی حکومت آبادکاری کو روکنے کی خواہشمند نہیں، اور یہ یقین کہ امریکہ اس کے لیے اسرائیل پر کافی دباؤ ڈالنے کا خواہاں نہیں۔ ۲۲ دریں اثناء، کئی اسرائیلی ۲۰۰۹ء-۲۰۱۰ء کے حالات کا فائدہ اٹھانے میں ناکامی پر فلسطین کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور وہ موجودہ پیچیدگی کا الزام فلسطینیوں کے ''نامنظور، نامنظور'' کی عادت کو دیتے ہیں، بالخصوص پی اے کی جانب سے اسرائیل کو یہودی ریاست تسلیم کرنے سے انکار کو۔ ۲۳ امن عمل کوئی توانائی دینے کے لیے اوباما انتظامیہ کے حالیہ اقدامات لائق تعریف ہیں، لیکن پیشرفت میں رکاوٹیں اب بھی حقیقی ہیں۔

امریکی قومی مفادات، نئے اور پرانے

ان واقعات اور رجحانات کا ملنا اہم امریکی قومی مفادات کے لیے زبردست چیلنج تخلیق کرتا ہے۔ لیکن یہ چیلنج ان مفادات کو سمجھنے اور امریکی تزویراتی ترجیحات کا جائزہ لینے کے لیے واشنگٹن سے نظرثانی کا مطالبہ بھی کرتا ہے۔ قابل قدر مقاصد کے لیے تکلیف دہ مفاہمت کی حقیقت سے کوئی صرف نظر نہیں کرتا۔

مشرق وسطیٰ میں داؤ پر لگے امریکہ کے تین بنیادی قومی مفادات پر دہائیوں سے دوطرفہ معاہدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے: بین الاقوامی دہشت گردی اور وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں سے درپیش دو گنے خطرات سے امریکہ کو محفوظ کرنا، بالخصوص جوہری ہتھیاروں سے؛ تیل کی فراہمی جاری رکھنے کو یقینی بنانا؛ اور اسرائیل کے تحفظ کو یقینی بنانا۔ (گو کہ جمہوریت اور سیاسی اصلاحات کا فروغ بھی بسا اوقات چوتھے امریکی مفاد کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، لیکن اس ہدف کے لیے کوششیں دیگر خدشات کی بنیاد پر روک گئی ہیں)۔ نتیجتاً یہ مفادات متعدد امریکی پالیسی مقاصد سامنے لاتے ہیں: عرب-اسرائیل امن کو فروغ دینا؛ تیل پیدا کرنے والی اہم ریاستوں کا تحفظ؛ علاقائی تنازعات سے محفوظ رکھنا یا ان کے پھیلاؤ کو محدود کرنا؛ اہم سمندری راستوں جیسے آبنائے ہرمز کو کھلا رکھنا؛ اور خطے میں امریکی عسکری رسائی اور فوجی قدم اٹھانے کی آزادی کو یقینی بنانا۔ ان مقاصد کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے امریکہ روایتی طور پر مشرق وسطیٰ میں اہم ترین طاقت کی حیثیت سے پیش آتا، طاقت کے علاقائی توازن کو ترجیح دیتا اور سیاسی تبدیلی کی برائے نام حمایت کرتا ہے۔

صدر بش کے سخت گیر اقدامات کے مقابلے میں صدر اوباما نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کی بدترین زیادتی کو کم کیا لیکن کم شدت کی حامل جنگ جاری رکھی۔ اوباما نے امن عمل کو بھی سرفہرست بنایا گو کہ ان کی کوششیں بھی اپنے پیشرو کی طرح کامیاب ثابت نہیں ہوئیں۔ پھر عرب بہار پھوٹ پڑی، جس نے علاقائی ایجنڈے کو بنیاد سے تبدیل کر کے رکھ دیا۔

عرب شورش کے جواب میں انتظامیہ نے ردعمل کی حامل سوچ اپنائی، اور خطے میں جاری کئی بحرانوں کے مقابلے میں امریکی علاقائی پالیسی کو جلد از جلد تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ انتظامیہ نے جلد از جلد، اور ہمارے خیال میں بالکل درست انداز میں، مصر اور خطے بھر میں تبدیل ہوتی صورتحال کو قبول کرنے کی اہمیت سمجھی۔ لیکن بحرین میں سیاسی تبدیلی کے عمل میں سعودی عرب کے سامنے کھڑے ہونے سے باز رہی۔ اس نے بالآخر سعودی عرب اور خلیج تعاون کونسل کی مدد سے یمن میں عبوری معاہدے میں کردار ادا کیا، لیکن ایسا محسوس ہوا کہ دیگر اہم معاملات پر انسداد دہشت گردی کے تعاون کو ترجیح دی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اقدامات اس وقت اختیار کی گئی بہترین چال محسوس ہوتے تھے، لیکن یہ اب بھی واضح نہیں کہ انہوں نے آج امریکی پالیسی کو کس مقام لا کھڑا کر دیا ہے۔ صدر اوباما کی ۱۹ مئی ۲۰۱۱ء کی وزارتِ خارجہ سے کی گئی تقریر مرکزی علاقائی وژن کو ظاہر کرنے کی واحد بڑی کوشش ہے۔[۲۴]

مشرق وسطیٰ میں موجودہ ماحول کو دیکھیں تو زیادہ مربوط طریقہ تیار کرنے کی کسی بھی کوشش کو پانچ تزویراتی دشواریوں سے گزرنا ہوگا۔

پہلا، ایران کے عزائم کو محدود کرنا اور تیل کے آزادانہ بہاؤ کو برقرار رکھنے کے لیے خلیج فارس میں امریکہ کی بڑی تعداد میں فوجی موجودگی اور خلیجی حکومتوں کے ساتھ زبردست سکیورٹی تعلقات۔

دوسرا، خطے میں امریکی آپریشنل موجودگی اور شراکت دار حکومتوں کی افواج کے ساتھ قریبی تعلقات دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے شاید ضروری ہوں۔ لیکن عرب دنیا میں امریکہ کی یہی فوجی موجودگی القاعدہ اور دیگر شدت پسندوں کو کارآمد پروپیگنڈہ اور بھرتی کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ یہ اصلاحات کے حوالے سے آمرانہ حکومتوں پر امریکی زور کو بھی کم کرتی ہے۔

تیسرا، فلسطینیوں کے ساتھ تنازع میں اسرائیل کی پوزیشن کی طرف جھکاؤ غالباً اسرائیل کی حفاظت سے واشنگٹن کی وابستگی اور اسرائیلی رہنماؤں کو امن کے لیے خطرہ مول لینے کی از سرِ نو یقین دہانی کروانے کے لیے ضروری ہوگا۔

چوتھا، شام میں زیادہ طاقتور امریکی مداخلت، بشمول فوجی طاقت کا استعمال، بشار الاسد حکومت کا فوری طور پر خاتمہ کر سکتا ہے، تنازع کے غیر مستحکم کرنے والے نتائج پر سخت رویہ، انسانی نقصانات کو کم کرنا، قیادت کا مظاہرہ، اور ایران پر زبردست نقصان پہنچانے والا حملہ۔ لیکن اسے فوجی وسائل میں بڑی سرمایہ کاری کی بھی ضرورت ہوگی، ممکنہ طور پر امریکہ کو طویل عرصے کے لیے اسی مقام پر لے آئے گا جس سے وہ عراق میں بال بال بچا تھا، اور ہو سکتا ہے کہ ان تمام ضروری وسائل کا خاتمہ کر دے جو ایران اور دیگر سے نمٹنے کے لیے ضروری ہیں۔

آخر میں، عرب شورش کی روشنی میں، یہ پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ سیاسی و اقتصادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصلاح کو ترجیح دی جائے۔

گو کہ بیک وقت تمام امریکی مفادات اور مقاصد کا زیادہ سے زیادہ حصول ناممکن ہے، لیکن ان اہم دہری مشکلات پر روشنی ڈالنا واشنگٹن کے پالیسی سازوں کو درپیش سخت صورتحال کو واضح کرتا ہے۔ نتیجتاً ایک داخلی مربوط حکمت عملی چند مقاصد کے حصول کے لیے بڑی چیز داؤ پر لگاؤ کر تناؤ کی ان کیفیات کو حل کرے گی اور ساتھ ساتھ کسی اور جگہ خطرات کو قبول کرے گی۔

حقیقی سیاست کی طرف واپسی؟

''فوقیت پسند'' (Primacists) بزور قوت اور فوجی طریقے اختیار کرنے کے حامی ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ واشنگٹن نے (عراق اور افغانستان سے دست کش ہو جانے، تہران کے ساتھ سفارت کاری میں شمولیت، امریکہ اور اسرائیل کے درمیان ''دن کی روشنی'' تخلیق کرنے، شام میں مداخلت سے انکار کرنے) کے ذریعے حالیہ سالوں میں اپنا علاقائی قائدانہ کردار چھوڑ دیا ہے۔ نتیجتاً دوست اور دشمن دونوں خطے میں امریکی مفادات کے دفاع سے واشنگٹن کی وابستگی پر شک کر رہے ہیں۔ اس کو ٹھیک کرنے کے لیے ایک فوقیت پسند حکمت عملی (وسیع پیمانے پر دہشت گردی کے انسداد کے لیے، لیکن خلیج فارس میں تیل کی رسائی اور شام میں ایران سے نمٹنے کے لیے بھی) [۲۵] اور کلیدی شراکت داروں کے ساتھ اچھے تعلقات کو قائم کرنے کے لیے پھر سے فوجی غلبہ قائم کرے گی۔ یہ طریقہ امن عمل میں بڑے پیمانے پر اسرائیل کی جانب جھکاؤ رکھتا ہے، اور دوستانہ آمرانہ ریاستوں میں کوئی خاص امریکی سیاسی دباؤ نہیں رکھتا۔ [۲۶] عرب ریاستوں میں باقی رہ جانے والے ترجیحات کی اس ترتیب پر راضی ہیں، جو مقامی سطح پر تبدیلی کے لیے ان پر دباؤ کو کم کرے اور ساتھ ہی ایران سے درپیش خطرات اور فلسطین کے مسئلے میں متعلقہ دلچسپی پر زور دے۔

نو قدامت پسند حامی اس کی حمایت نہیں کریں گے، اور دلیل دیں گے کہ فوقیت پسند حکمت عملی جمہوریت کے فروغ کی امریکی کوششوں میں شامل ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیے۔ [۲۷] لیکن یہ غیر مستقل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے: ایک مربوط فوقیت پسند حکمت عملی کو دوست آمرانہ حکومتوں کے ساتھ ایک تزویراتی تعلق کی ضرورت ہوگی، بالخصوص خلیجی بادشاہتوں کے ساتھ۔ امریکہ اس طرح کا تعلق کیسے قائم رکھے گا جبکہ وہ چند ریاستوں میں سیاسی اصلاح کی بھی ترویج کرے؟

البتہ فوقیت پسند حکمت عملی کا ایک نقصان یہ ہے کہ اس کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا۔ امریکہ کی مالی مشکلات اور دہائی بھر کی جنگ کے بعد تھکن نے مشرق وسطیٰ میں امریکی حاکمیت کی کوششوں کو ناقابل دفاع بنا دیا ہے۔[۲۸] غلبہ کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے ''زوال پسند'' (Declinist) خارجہ پالیسی کو شکست دینے کی کوشش سخت عسکری و مالیاتی دباؤ کا باعث بنے گی جو طویل عرصے تک امریکی طاقت کے برقرار رہنے کو خطرے سے دوچار کرے گی۔ لیکن اگر واشنگٹن کے پاس زیادہ جارحانہ اور فوجی پالیسی کے لیے وسائل اور عوامی حوصلہ موجود ہو تب بھی عراق جنگ نے علاقائی ضمن میں امریکہ کی طاقت کی محدودیت کو ظاہر کیا ہے وہ بھی عرب بہار کے نتیجے میں پیدا ہونے والی پیچیدگی سے کہیں پہلے۔ محض چند عرب ہی اس قیادت کو چاہیں گے جو فوقیت پسند پیش کرتے ہیں۔

یہ تنقید حقیقی سیاست کے ایک متبادل طریقے کا نقطہ آغاز ہے: ''بیرون ملک توازن'' (Offshore Balancing)۔ بیرون ملک توازن بنانے والے امریکی مفادات کی محدود توضیح رکھتے ہیں اور امریکی زوال کی عسکری واقتصادی وجوہات سے نمٹنے کے لیے تخفیف کی حمایت کرتے ہیں۔ اس حکمتِ عملی کے حامیوں کے مطابق امریکہ خطے پر غالب رہنے کا خواہاں نہیں ہوگا، بلکہ اس کے بجائے اپنے اتحادیوں اور شراکت داروں کی جانب سے، ان کے ساتھ اور ان کے ذریعے کام کرے گا تاکہ طاقت کا توازن امریکی مفادات کے حق میں برقرار رکھا جائے۔ مزید برآں، اس طریقے کا مقصد افواج کو واپس بلا کر علاقائی ریاستوں کو مکمل طور پر امریکہ پر انحصار سے محفوظ کرنا ہے، اور انہیں مجبور کرنا ہے کہ وہ علاقائی تحفظ کے بوجھ کو خود سہاریں۔[۲۹]

اس حکمتِ علی کو اختیار کرنے کی صورت میں واشنگٹن کو اپنے ترجیحی علاقوں میں سیاسی اصلاح کے فروغ میں دشواری ہوگی۔ مزید برآں، بیرون ملک توازن کے بیشتر حامی امریکہ کے اسرائیل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ خصوصی تعلقات پر سخت تنقید کرتے ہیں، ۳۰ یہ امر قابل ذکر ہے کہ عملی طور پر یہ طریقہ اسرائیل جیسے اتحادیوں پر بھروسہ کر کے اور ان کے ذریعے بالواسطہ کام کرے گا تاکہ طاقت کے علاقائی توازن کو امریکی مفادات کے حق میں جھکانے میں مدد ملے۔

یہ واشنگٹن کے لیے مزید مشکل بنا دے گا کہ وہ فلسطین کے معاملے میں صلح کے لیے اسرائیل پر دباؤ ڈالے۔لیکن بیرون ملک توازن کا تناظر معاملات کو بہت آگے لے جاتا ہے۔گوکہ وقت کے ساتھ ساتھ مشرق وسطیٰ میں امریکی فوجی موجودگی میں کمی معقول لگتی ہے، لیکن بڑی تعداد میں اور فوری انخلاء امریکی اثر ورسوخ کو کم کر دے گا اور ایسا خلا پیدا کرے گا جسے دوستوں اور دشمنوں کی جانب سے عاقبت نا اندیش پالیسیوں کے ذریعے پر کیا جائے گا۔عرب اتحادی، دستبرداری سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ حفاظت کی متبادل ضمانتوں کے تعاقب میں بے پروائی کی حکمت عملی اختیار کریں۔ تنازع کے خدشات کہیں زیادہ بڑھ جائیں گے، ہوسکتا ہے اس مقام تک پہنچ جائیں کہ امریکہ کو ایک مرتبہ پھر مداخلت کرنا پڑے، ممکنہ طور پر اس وقت جب تیل کی رسد خطرے میں پڑ جائے ایک باقی ماندہ افواج کی بڑی تعداد میں عدم موجودگی امریکی اثر ورسوخ کو تیزی سے کم کرے گی، جس کا کوئی سیاسی فائدہ نہ ہوگا۔

ترقی پسند عہد کی سمت

امریکہ کو فوقیت پسندوں کی حد سے بڑھی ہوئی اور بیرون ملک توازن کے حامیوں کے تخفیف شدہ عزائم دونوں سے بچتے ہوئے ''ترقی پسند عہد کی سمت'' کی حکمت عملی کی حمایت کرنا ہوگی۔اس طریقے کو واضح کرنے والے دو بنیادی ستون یہ ہیں: پہلا، مستحکم جمہوری شراکت داروں کے ابھرنے کی حوصلہ افزائی، اور دوسرا، امریکی فوجیوں کی تعداد کو ''درست مقام پر لانا''۔ یہ دونوں ضروری ہیں۔۳۱ واشنگٹن کو مستحکم، با اثر اور داخلی طور پر جمہوری اتحادی کی حوصلہ افزائی کے لیے تزویراتی ایجنڈے میں سیاسی اصلاح کی واضح اور بزور قوت حمایت شامل کرنے کی ضرورت ہے۔اسے خطے میں اپنی فوجی موجودگی کو بھی مسلسل کم کرنا چاہیے، اور ساتھ ساتھ تمام علاقائی سکیورٹی نیٹ ورکس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قلب میں موجودگی برقرار رکھنے کے لیے فوج کے فوج سے تعلقات کو گہرا اور طاقتور بنانا چاہیے۔ اور واشنگٹن کو اس امر پر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ایسی پالیسی معاندانہ اور شاکی عرب عوام میں فوری طور پر کامیاب ہوگی، امریکہ اپنی پالیسیوں کے بہتر اظہار سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور مشترکہ اقدار اور مفادات کو ماننے والی تمام تحریکوں اور قائدین سے وسیع پیمانے پر تعلقات رکھے گا۔

مضبوط جمہوری شراکت داروں کی حمایت

امریکہ کو خطے میں اصلاحات کے فروغ کے لیے اپنے اقتصادی وسکیورٹی تعلقات کو استعمال کرنا اور بہتر بنانا چاہیے۔ مصر میں تکنیکی واقتصادی معاونت (بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی جانب سے امریکی امداد اور قرضہ جات) کو سیاسی واقتصادیاتی اصلاح کے واضح، بین الاقوامی طور پر منظور شدہ معیارات سے مشروط کرنا چاہیے۔ دریں اثناء، سکیورٹی امداد کو مصر کی اسرائیل کے ساتھ امن معاہدے پر قائم رکھنے کی شرط کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے۔

امریکہ کو جی سی سی ریاستوں، اردن اور عراق کو ہتھیار بیچنے چاہییں جس جدید ترین اسلحے اور ٹیکنالوجی کو حکومت داخلی سرکوبی کے لیے استعمال کرسکتی ہے۔ لیکن اسے زیادہ نمائندگی رکھنے والی اور قابل احتساب حکومتوں اور ساتھ ساتھ مقامی حریفوں کے مقابلے میں ممانعت کی شرائط پر فروخت کیا جانا چاہیے۔ مذاکرات کو توقعات کا احاطہ کرنا چاہیے اور اصلاح کے ایجنڈے کا وسیع خاکہ مرتب کرنا چاہیے۔ سکیورٹی شعبے میں اصلاحات پر زیادہ زور ہونا چاہیے، جس کا مقصد انسانی حقوق، شہری کنٹرول اور قانون کی حکمرانی کے حوالے سے بہتری لانا ہو۔ بحرین بالخصوص ایک اہم مثال پیش کرتا ہے، جہاں بڑے پیمانے پر پرامن مظاہروں کی تحریک پر زبردست سرکاری کریک ڈاؤن کیا گیا۔

ترقی پسند عہد کی سمت یہ حکمت عملی سول سوسائٹی اور ابھرتے ہوئے سیاسی عوامل کے ساتھ بڑھتے ہوئے تعلقات پر زور دے گی جس میں معتدل اسلام پسند بھی شامل ہیں۔ بنیادی ہدف امریکہ مخالفت کی تمام اقسام کو ٹھیک کرنا یا جادوئی انداز میں واشنگٹن کی پسندیدگی کی شرح کو بڑھانا نہیں، بلکہ جاری، سیر حاصل مذاکرات اور خیالات کے تبادلے کے لیے ایوانوں کو مستحکم کرنے کی خاطر کئی نیٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ورکس کو وسیع پیمانے پر شامل کرنا ہے۔۳۲

سیاسی اصلاحات اور سول سوسائٹی کی شمولیت کی حمایت پر بڑھتی ہوئی توجہ کا مطلب یہ نہیں کہ واشنگٹن عرب ممالک میں سیاسی نتائج کو نچلی سطح پر سنبھالنے یا میدان کا رخ اپنے پسندیدہ گروہوں کی طرف کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے بجائے امریکہ کو واضح اور پرزور انداز میں قواعد ترتیب دینا اور لاگو کرنا ہوں گے جیسا کہ شفافیت، احتساب، انسانی حقوق کا احترام اور عورتوں اور اقلیتوں کا تحفظ، اور جمہوری قواعد وعوامل سے لگاؤ لیکن دوسری جانب مخصوص سیاسی رجحانات یا رہنماؤں کی حمایت سے پرہیز کرے۔ امریکی دباؤ کا نشانہ دنگے فساد کی روزمرہ سیاست کے بجائے ادارے اور سیاسی عمل ہونا چاہیے۔ ہمیں فاتحین کو منتخب نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہم کر سکتے ہیں۔

ترقی پسند عہد کی سمت پیشرفت کو مشرق وسطیٰ امن عمل کے حوالے سے بھی ایک متوازن رویہ اپنانا ہوگا، اسرائیل-فلسطین معاہدے کے حوالے سے بھی اور امریکی ساکھ کو بہتر بنانے اور نو مختار شدہ عرب عوام کے حوالے سے نرم طاقت کے حوالے سے بھی، اس کو تسلیم کرتے ہوئے ایک مختصر مدتی کامیابی خلاف قیاس ہے۔ اس کا فطری نتیجہ ''اسرائیل کا بھینٹ چڑھنا'' یا کوئی مخصوص حل پیش کرنا نہیں۔ اسرائیل کی حفاظت سے واشنگٹن کی مضبوط وابستگی برقرار رہنی چاہیے۔ البتہ اسی وقت امریکی پالیسی کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اسرائیل اور فلسطین دونوں قانونی دعوے اور آرزوئیں رکھتے ہیں، اور بامعنی امن عمل کی عدم موجودگی کسی بھی فریق کے حقیقی مفادات کے لیے فائدہ مند نہیں۔

امریکی فوجی موجودگی کو 'درست سائز تک رکھنا'

ترقی پسند عہد کی سمت پیشرفت اس حقیقت پر انحصار کرتی ہے کہ شراکت دار اقوام کا امریکہ کی اقتصادی مدد اور سکیورٹی تعاون پر انحصار واشنگٹن کو سیاسی اثر ورسوخ میں خاص درجہ دے، اور ساتھ ساتھ فائدہ بھی۔ لیکن جب امریکہ علاقائی ریاستوں کے ساتھ سکیورٹی تعلقات پر حد سے زیادہ انحصار کرنے والا ہو جائے تو یہ واشنگٹن کی اثر ورسوخ استعمال کرنے کی صلاحیت اور میلان کو کم کرتی ہے۔ موجودہ امریکی طاقت کی کیفیت، بالخصوص خلیج فارس میں، اس انحصار میں اپنا حصہ ڈالتی ہے۔ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''تزویراتی انکشاف'' کو بھی تخلیق کرتی ہے: خطرہ کہ فوری سیاسی تبدیلی اہم امریکی مفادات کی جڑیں کاٹ سکتی ہے۔

ترقی پسند عہد کی سمت پیشرفت کو مشرق وسطیٰ میں امریکی فوجی موجودگی کو کم کرنے اور قدرے تبدیل کرنے پر توجہ ڈالنا ہوگی۔ یہ امریکہ کو کسی بھی ایک شراکت دار پر انحصار کرنے سے روکے گا۔ خلیجی ریاستوں میں عسکری انحصار کو کم کرنا واشنگٹن کو آمریتوں کو اصلاحات کی جانب دھکیلنے میں مدد دے گا کہ اس سے انہیں امداد ختم ہونے کا واضح خطرہ ہوگا۔ یہ طریقہ قابل قدر سکیورٹی تعاون کے نقصان کے کچھ خطرے کا حامل ہے۔ لیکن اگر طریقے سے کیا جائے تو امریکہ اور جی سی سی ریاستوں کے درمیان ایران سے نمٹنے، دہشت گردی سے دو دو ہاتھ کرنے اور خطے سے تیل کے آزادانہ بہاؤ کو یقینی بنانے کے مشترکہ مفادات پر اصرار مکمل شکستگی کے نقصانات کو کم کرے گا۔

امریکی فوج علاقائی فضائی اور بلیسٹک میزائل دفاعی نظاموں کی تکمیل میں اہم کردار کو برقرار رکھے اور بڑھائے، قبل از وقت انتباہ، بحری ٹاسک فورسز اور انسداد دہشت گردی کی سرگرمیوں میں معلومات شیئر کرے، لیکن یہ سب ممکنہ حد تک کم ترین فوجی اثرات کے ساتھ کرے۔[۳۳] ایسا کرنا آپریشنل معاملات پر کسی حد تک شراکت داروں کی رسائی کو یقینی بنائے گا اور ساتھ ساتھ امریکی عسکری صلاحیتوں پر ان کے انحصار کو برقرار رکھتے ہوئے فوجیوں کے لیے آپریشنل رسائی کی ایک سطح کو یقینی بنائے گا ایسا انحصار جو مزید تعاون اور اصلاحات کے لیے واشنگٹن کے مفادات کو محفوظ رکھے گا۔

خطے میں امریکی فوج کی موجودگی کو کم کرنے کی صلاحیت کا انحصار اس امر پر ہوگا کہ مستقبل میں امریکی فوج بڑے پیمانے پر مشرق وسطیٰ میں کسی اور تنازع میں ملوث نہ ہو (ممکنہ طور پر شام یا ایران کے خلاف)۔ ایسے اتفاقات کو نہ صرف لڑاکا افواج کی ضرورت ہوگی، بلکہ خطے میں جنگ کے بعد کے اثرات کو سنبھالنے کے لیے بھی دستوں کی موجودگی کی ضرورت ہوگی۔ اس وقت شام کی خانہ جنگی کے اثرات کو محدود کرنے میں ناکامی یا ایران کو جوہری ہتھیار حاصل کرنے سے روکنے میں ناکامی دہائیوں کے لیے امریکی افواج کو خطے میں برقرار رکھ سکتی ہیں۔ مختصر یہ کہ زیادہ تر انحصار امریکہ کی فوجی مداخلت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بغیر ان مسائل کو بڑے پیمانے پر حل کرنے پر ہے۔

نئے مشرق وسطیٰ کے لیے نئی حکمت عملی

واشنگٹن کے تاریخی ٹریک ریکارڈ کو مدنظر رکھیں تو یہاں تجویز کردہ تزویراتی تبدیلیاں اتحادیوں کی حکومتوں میں تشویش اور عوام میں شکوک وشبہات کی لہر دوڑا دے گی۔ اصلاحات کے کسی بھی دباؤ پر خلیج کے آمر حکمرانوں کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور انہیں خوف لاحق ہو جائے گا کہ امریکی افواج کی موجودگی میں کمی کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں تنہا چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن یہ بات ہمیں باز نہ رکھے۔ امریکہ کو خواہشمند ہونا چاہیے کہ وہ اتحادی حکومتوں کے حد سے زیادہ آمرانہ انداز پر تنقید کرے اور انسانی حقوق اور جمہوری شراکت داری کا احترام کرنے پر دباؤ ڈالے۔ اگر حکومت کو خطرے میں ڈالنے سے کسی مزید بڑے بحران کے بیج بوئے گئے تو اپنے گناہوں پر نادم نہ ہونے والی آمرانہ حکومتوں کی برداشت طویل المیعاد بنیادوں پر امریکہ پر کم اثر کرے گی۔ امریکہ کو عبوری حکومتوں کی مدد کے لیے مزید کچھ کرنا چاہیے تاکہ عملی اور نمائندہ جمہوریتوں کو مضبوط کیا جائے۔ اور اسے اشرافیہ اور عوام کے ساتھ نئی عرب سیاست کو سنبھالنے کے لیے موثر انداز میں رابطہ کرنا چاہیے۔

تبدیل ہوتے علاقائی محرکات اور امریکی وسائل پر دباؤ کو دیکھتے ہوئے ترقی پسند عہد کی سمت پیشرفت کرتی حکمت عملی مشرق وسطیٰ میں امریکی مفادات کو آگے بڑھانے کی بہترین حکمت عملی ہے۔ لیکن یہ جادو کی چھڑی نہیں۔ یہ امریکہ کو درپیش انتہائی مشکل علاقائی چیلنجز میں سے سب کو حل نہیں کرے گی۔ بلاشبہ کوئی بھی آگے کی جانب بڑھتی حقیقی حکمت عملی واشنگٹن کو نئے مشرق وسطیٰ کے بارے میں اپنی توقعات کو گھٹانے پر مائل کرے گی کہ وہ یہاں سے کیا حاصل کر سکتا ہے اور اسے کیا حاصل کرنا چاہیے۔ امریکہ کو نئے جمہوری کرداروں کو بااختیار بنانا چاہیے اور مشترکہ مفادات کو آگے بڑھانے کے لیے کام کرنا چاہیے، جبکہ اس امر کو تسلیم کرنا چاہیے کہ ہمیں ہمیشہ اپنا راستہ نہیں ملے گا۔ حتمی ہدف ان خطوط پر نیا علاقائی فرمان ہونا چاہیے جو دنیا کے دیگر خطوں میں بھی امریکہ کے لیے کامیاب ثابت ہو۔ یہ زیادہ مضبوط بنیاد رکھنے والے، زیادہ مستحکم اور زیادہ جمہوری شراکت دار کا کردار ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[کولن ایچ کاہل ایڈمنڈ اے واش اسکول آف فارن سروس میں ایسوسی ایٹ پروفیسر اور سنٹر فار اے نیو امریکن سکیورٹی میں سینئر فیلو ہیں۔ مارک لنچ جارج واشنگٹن یونیورسٹی میں علم سیاسیات کے ایسوسی ایٹ پروفیسر اور سنٹر فار اے نیو امریکن سکیورٹی میں نان-ریزیڈنٹ سینئر فیلو ہیں۔ اس مقالے کا ایک حصہ کولن ایچ کاہل کے ''عرب شورش کی روشنی میں امریکی حکمت عملی پر نظر ثانی'' کے نکولس برنس اور جوناتھن پرائس کے ''عرب انقلابات اور امریکی پالیسی (واشنگٹن، ڈی سی: دی ایسپن انسٹیٹیوٹ) ایڈیشنوں سے لیا گیا ہے۔]

(ترجمہ: فہد کیہر، تلخیص: منزہ صدیقی)

Source: Colin H. Kahl and Marc Lynch, "U.S. Strategy after the Arab uprisings: Toward Progressive Engagement", *The Washington Quarterly*, Spring 2013.

حواشی

1. Marc Lynch, *The Arab Uprising: The Unfinished Revolutions of the New Middle East* (New York: PublicAffairs, 2012).

2. Peter Baker and David D. Kirkpatrick, ``Egypt Leader and Obama Forge Link in Gaza Deal,'' *New York Times*, November 21, 2012, http://www.nytimes.com/2012/11/22/world/middleeast/egypt-leader-and-obama-forge-link-in-gaza-deal.html?pagewanted=all&_r=0.

3. Colin H. Kahl, Melissa Dalton, and Matthew Irvine, ``Risk and Rivalry: Iran, Israel, and the Bomb,'' Center for a New American Security, June 2012, http://cnas.org/riskandrivalry.

4. Eric S. Edelman, Andrew F. Krepinevich Jr. and Evan Braden Montgomery, ``The Dangers of a Nuclear Iran,'' *Foreign Affairs*, January/February 2011, http://www.foreignaffairs.com/articles/67162/eric-s-edelman-andrew-f-krepinevich-jr-and-evan-braden-montgomer/the-dangers-of-a-nuclear-iran; and Colin H. Kahl, Melissa Dalton, and Matthew Irvine, ``Atomic Kingdom: If Iran Builds the Bomb, Will Saudi Arabia Be Next?'' Center for a New American Security, February 2013, http://cnas.org/atom-ickingdom.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

5. Thom Shanker, "In Kuwait, Panetta Af?rms U.S. Commitment to the Middle East," *The New York Times*, December 11, 2012,
http://www.nytimes.com/2012/12/12/world/middleeast/in-kuwait-panetta-affirms-us-commitment-to-middle-east.html?_r=0.
6. David Albright, Christina Walrond, Andrea Stricker, and Robert Avagyan, "ISIS Analysis of IAEA Iran Safeguards Report," Institute for Science and International Security, November 16, 2012,
http://isis-online.org/uploads/isis-reports/documents/ISIS_Analysis_IAEA_safeguards_Report_November_16_2012-final.pdf.
7. William C. Witt, et al., "Iran's Evolving Breakout Potential," report, Institute for Science and International Security, October 8, 2012,
http://isis-online.org/uploads/isis-reports/documents/Irans_Evolving_Breakout_Potential.pdf.
8. Alireza Nader, "Smart Sanctions," *Foreign Policy*, September 25, 2012,
http://www.foreignpolicy.com/articles/2012/09/25/smart_sanctions.
9. Dalia Dassa Kaye and Frederic, "Arab Spring, Persian Winter," *Foreign Affairs*, July/August 2011,
http://www.foreignaffairs.com/articles/67942/dalia-dassa-kaye-and-frederic-wehrey-michael-scott-doran/arab-spring-persian-winter; Colin H. Kahl, "Supremely Irrelevant," *Foreign Policy*, January 25, 2012,
http://www.foreignpolicy.com/articles/2012/01/24/supremely_irrelevant?page=full.
10. Robert F. Worth, "Effort to Rebrand Arab Spring Back?res in Iran," *New York Times*, February 2, 2012,
http://www.nytimes.com/2012/02/03/world/middleeast/effort-to-re-brand-arab-spring-back?res-in-iran.html?pagewanted=all.
11. Barbara Slavin, "Poll: Sectarianism, Syria drive negative image of Iran," Al-Monitor,
http://www.al-monitor.com/pulse/originals/2013/03/zogby-poll-negative-arab-attitudes-iran-syria.html.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

12. Thanassis Cambanis, ''How the Arab Spring Killed Hezbollah,'' The New Republic, September 20, 2012, http://www.tnr.com/blog/plank/107543/how-the-arab-spring-kill-ed-hezbollah#; and Dexter Filkins, ''After Syria: If the Assad Regime Falls, Can Hezbollah Survive,'' *The New Yorker*, February 25, 2013, pp. 48—57.

13. ''Morsi Criticizes Syria at Tehran Meeting,'' Al Jazeera, August 30, 2012, http://www.aljazeera.com/news/middleeast/2012/08/2012830857956O767.html.

14. F. Gregory Gause, III, ''Is Saudi Arabia Really Counter-Revolutionary?'' *Foreign Policy*, August 9, 2011, http://mideast.foreignpolicy.com/posts/2011/08/09/is_saudi_arabia_really_counter_revolutionary; and F. Gregory Gause, III, ''The Gulf Regional System and the Arab Spring,'' *The Montre'al Review*, March 2012, http://www.themontrealreview.com/2009/The-International-Relations-of-the-Persian-Gulf.php.

۱۵۔ ایک اچھے جائزے کے لیے دیکھیے:

For a good overview, see Brian Michael Jenkins, *Al-Qaeda in Its Third Decade: Irreversible Decline or Imminent Victory* (Santa Monica, CA: The Rand Corp., 2012).

16. Peter Bergen, ''Time to Declare Victory: Al-Qaeda is Defeated,'' CNN.com, June 27, 2012, http://security.blogs.cnn.com/2012/06/27/time-to-declare-victory-al-qaeda-is-defeated-opinion/; and Jenkins, *Al-Qaeda in Its Third Decade*, pp. 5—6.

17. Akiva Eldar, ''Israel's New Politics and the Fate of Palestine,'' *The National Interest*, July/August 2012, pp. 5—15, http://nationalinterest.org/article/israels-new-politics-the-fate-palestine-7069.

18. Khaled Elgindy, ''Why Palestinians Protest,'' *Foreign Affairs*, September 20, 2012, http://www.foreignaffairs.com/articles/138131/khaled-elgindy/why-palestinians-protest.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

19. Scott Wilson, "Where Obama Failed in Forging Peace in the Middle East," *Washington Post,* July 14, 2012, http://www.washingtonpost.com/politics/obama-searches-for-mid-dle-east-peace/2012/07/14/gJQAQQiKlW_story.html.

20. Eldar, "Israel's New Politics and the Fate of Palestine."

۲۱۔ عرب شورش کے حوالے سے اسرائیلی خدشات کے خلاصے کے لیے دیکھیے:

For a summary of Israeli concerns regarding the Arab uprisings, see Efraim Inbar, "Israel's National Security Amidst Unrest in the Arab World," *The Washington Quarterly 35,* no. 3 (Summer 2012), pp. 59—73.

22. Daniel Kurtzer, "Reviving the Peace Process," *The National Interest,* January/ February 2012, pp. 38—46, http://nationalinterest.org/article/reviving-the-peace-process-6281.

۲۳۔ مثال کے طور پر دیکھیے:

Yosef Kuperwasser and Shalom Lipner, "The Problem is Palestinian Rejectionism," *Foreign Affairs,* November/December 2011, pp. 2— 9, http://www.foreignaffairs.com/articles/136588/yosef-kuperwasser-and-shalom-lipner/the-problem-is-palestinian-rejectionism.

24. Office of the Press Secretary, "Remarks by the President on the Middle East and North Africa," The White House, May 19, 2012, http://www.whitehouse.gov/the-press-office/2011/05/19/remarks-president-middle-east-and-north-africa.

۲۵۔ مثال کے طور پر دیکھیے:

Charles Krauthammer, "Collapse of the Cairo Doctrine," *Washington Post,* September 20, 2012, http://www.washingtonpost.com/opinions/charles-krauthammer-collapse-of-the-cairo-doctrine/2012/09/20/72fb7f62- 035f-11e2-91e7-2962c74c7738_story.html; and Lee Smith, "Obama in Retreat," *The Weekly Standard,* July 2, 2012, http://www.weeklystandard.com/articles/obama-retreat_647776.html?nopager=1.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۶۔ مؤخر الذکر پر دیکھیے:

Robert Kaplan, "Good Mideast Dictators," Stratfor, July 25, 2012,
http://www.stratfor.com/analysis/good-mideast-dictators-robert-d-kaplan.

27. William Kristol, "Obama's Moment in the Middle East — and at Home," *Washington Post*, February 23, 2011,
http://www.washingtonpost.com/wp-dyn/content/article/2011/02/22/AR2011022203763.html; and Jamie M. Fly, "Obama is Unwilling to Lead the U.S. Response to the Arab Spring," *U.S. News*, September 27, 2012,
http://www.usnews.com/debate-club/has-obama-properly-handled-the-arab-spring/obama-is-unwi lling-to-lead-the-us-response-to-the-arab-spring.

28. Michael Mazarr, "The Risks of Ignoring Strategic Insolvency," *The Washington Quarterly* 35, no.4 (2012), pp.7 -22,
csis.org/files/publication/twq12FallMazarr.pdf.

29. Christopher Layne, "The Global Power Shift from West to East," *The National Interest*, May/June 2012, pp. 30—31,
http://nationalinterest.org/article/the-global-power-shift-west-east-6796?page=show; Harvey M. Sapolsky, Benjamin H. Friedman, Eugene Gholz, and Daryl G. Press, "Restraining Order: For Strategic Modesty," *World Affairs Journal*, Fall 2009, pp.84-94,
http://www.worldaffairsjournal.org/article/restraining-order-strategic-modesty; and Stephen M. Walt, "The End of the American Era," *The National Interest*, November/December 2011, pp. 13—15,
http://nationalinterest.org/article/the-end-the-american-era-6037.

30. Walt, "The End of the American Era," pp. 14—15.

۳۱۔ دیکھیے:

Marc Lynch, "Does Obama have a Middle East strategy?" *Foreign Policy*, January 10, 2013.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

http://www.foreignpolicy.com/articles/2013/01/10/does_obama_have_a_middle_east_strategy

۳۲۔ مثال کے طور پر دیکھیے:

Anne-Marie Slaughter, ''A Grand Strategy of Network Centrality,'' in Richard Fontaine and Kristin M. Lord, eds., ''America's Path: Grand Strategy for the Next Administration,'' Center for a New American Security, May 2012, pp. 43—56, http://www.cnas.org/files/documents/publications/CNAS_AmericasPath_Fontaine-Lord_0.pdf.

۳۳۔ کسی حد تک یہ ہدف امریکہ کی مرکزی کمان کے "Regional Security Architecture"، میں پہلے ہی نمایاں ہے لیکن سینٹ کام مشرقِ وسطیٰ میں زیادہ وسیع اور دیرپا امریکی موجودگی کا تصور کرتا ہے۔ جنرل ڈیوڈ پیٹریاس کا چھٹی بین الاقوامی انسٹی ٹیوٹ فار اسٹریٹجک اسٹڈیز ریجنل سکیورٹی سمٹ (دی مناما ڈائیلاگ) سے خطاب ملاحظہ کیجیے:

http://www.iiss.org/conferences/the-iiss-re-gional-security-summit/manama-dialogue-2009/plenary-sessions-and-speeches-2009/fif-th-plenary-session/fifth-plenary-session-general-david-petraeus/.

© rasailojaraid.com